دعوت الی اللہ

مولانا وحید الدّین خاں

دعوت الی اللہ

امت مسلمہ کی ذمّے داری

قرآن کی سورہ البقرہ میں امتِ محمدی کو 'امتِ وسَط' (2:143) کہا گیا ہے، یعنی بیچ کی امت (middle community)۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ امتِ محمدی، رسول اورعام انسانوں کے درمیان ہے۔ اُس کو رسول سے جو خدائی ہدایت ملی ہے، اس کو نسل درنسل تمام انسانوں تک پہنچانا ہے۔ قرآن کی اِس آیت میں 'وسط' کا لفظ استعمالی معنی میں نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے اصل معنی میں ہے، یعنی درمیانی امت کے معنی میں۔ اِس آیت میں امتِ وسط کا لفظ امت کے مشن یا اس کی داعیانہ ذمے داری کو بتا رہا ہے، وہ ہرگز کسی قسم کی پراسرار فضیلت کا بیان نہیں۔

قرآن کی اِس آیت میں امت محمدی کے داخلی اوصاف کو بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اِس میں امت کی خارجی ذمے داری کو بیان کیا

گیا ہے۔ وہ خارجی ذمے داری یہ ہے کہ امت، اللہ کے نقشۂ تخلیق (creation plan of God) سے لوگوں کو باخبر کرے۔ وہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اِس دعوتی کام کو جاری رکھے۔ یہ دعوتی مشن ہی وہ مشن ہے جس کی ادائیگی پر امتِ محمدی کا 'امت محمدی' ہونا متحقق ہوتا ہے۔

اس معاملے میں امت کے لیے دعوتی عمل کے تین درجے ہیں۔ امت کے ہر فرد کو اپنی صلاحیت کے اعتبار سے ان میں سے کسی درجے میں اپنے داعی ہونے کی حیثیت کو ثابت شدہ بنانا ہے۔ جو لوگ اس عمل میں شرکت نہ کریں، ان کے دوسرے اعمال خدا کی نظر میں بے قیمت ہوجائیں گے۔ اس معاملے میں خدا کا جو معیار ہے، وہ پیغمبر اور پیغمبر کی امت دونوں کے لیے یکساں ہے۔

اس معاملے کا پہلا درجہ وہ ہے جس کو شریعت میں نیت کہا جاتا ہے، یعنی نیت کے اعتبار سے دعوت کے عمل میں شریک ہونا۔ تاہم یہ نیت کسی لفظی تکرار کا نام نہیں، یہ دل کی گہرائیوں کے ساتھ تڑپنے کا نام ہے۔ ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسری قوموں کی ہدایت کا

حریص ہو۔ وہ ان کی گمراہیوں کو دیکھ کر بے چین ہوجائے۔ وہ اپنی تنہائیوں میں ان کی ہدایت کے لیے دعا کرے۔ یہ جذبہ اتنا شدید ہو کہ اس پر سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اہل ایمان شدت کے ساتھ اس کا اہتمام کریں کہ ان کی ذات کسی بھی اعتبار سے دعوت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ کوئی بھی ایسا عمل نہ کریں جو لوگوں کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت اور بیزاری پیدا کر دے۔ وہ ایسے ہر عمل سے مکمل پرہیز کریں جو داعی اور مدعو کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے والا ہو۔ وہ ہر حال میں اس کا اہتمام کریں خواہ اس کے لیے انھیں قومی یا اقتصادی یا سیاسی نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

تیسری چیز براہِ راست دعوت ہے، یعنی خدا کے بندوں کو دینِ حق کی طرف بلانا۔

دعوت اور تبلیغ کو قرآن میں دعوت الی اللہ کہا گیا ہے، یعنی اللہ کی طرف بلانا، انسان کو اس کے خالق اور مالک کے ساتھ جوڑنا۔ اللہ کی

طرف بلانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو یہ بتایا جائے کہ اللہ کی زمین پر تمھارے لیے زندگی کا صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ تم اللہ کے بندے بن کر رہو۔

انسان کے لیے دنیا کی زندگی میں صرف دو رویّے ممکن ہیں۔ایک، خودرخی اور دوسرا، خدارخی۔خودرخی زندگی (self-orientedlife) میں گھمنڈ اور حسد اور انانیت جیسے جذبات جاگتے ہیں۔انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ حق وہ ہے جس کو وہ حق سمجھے اور باطل وہ ہے جس کو وہ باطل قرار دے۔

خدارخی زندگی (God-oriented life) کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔خدارخی زندگی آدمی کے اندر عبدیت، تواضع، اعتراف اور خوداحتسابی جیسے جذبات ابھارتی ہے۔پہلی صورت میں انسان اگر خود پرست بن جاتا ہے تو دوسری صورت میں خداپرست۔

دعوت الی اللہ یہ ہے کہ انسان کو خودرخی زندگی کے برے انجام سے آگاہ کیا جائے اور اس کو خدارخی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی جائے۔ ان دونوں قسم کی زندگیوں کو جاننے کا

معتبر اور مستند ماخذ خدائی تعلیمات ہیں، جو قرآن اور سنت کی صورت میں محفوظ طور پر ہمارے پاس موجود ہیں۔

دعوت الی اللہ کا کام ایک خالص اُخروی نوعیت کا کام ہے۔ قومی یا اقتصادی یا سیاسی معاملات سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ انسان کو خدا اور آخرت کی طرف بلانے کی ایک مہم ہے۔دعوت الی اللہ کا کام اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک خالص خدائی کام ہے۔ضروری ہے کہ اس کو اسی اسپرٹ کے ساتھ انجام دیا جائے۔اس اسپرٹ کے بغیر جو کام کیا جائے، وہ دعوت الی اللہ کا کام نہ ہوگا، خواہ اس کو دعوت الی اللہ کے نام پر جاری کیا گیا ہو۔

دعوت الی اللہ نہ سیاست کی طرف بلانے کا کام ہے اور نہ قومی مسائل کی طرف بلانا اس کا نشانہ ہے۔ یہ مکمل طور پر خدا کی طرف بلانے کا ایک کام ہے اور اسی خاص صورت میں اس کو ادا کیا جانا چاہیے۔

خدا کی طرف بلانے سے کیا مراد ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ

انسان کو خدا کے تخلیقی منصوبہ سے آگاہ کیا جائے۔ اس کو بتایا جائے کہ خدا کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور خدا آئندہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ یہ گویا انسان کو خدا سے متعارف کرنے کا ایک کام ہے۔ دعوت کا نشانہ یہ ہے کہ خدا کے بارے میں انسان کی غفلت ٹوٹے، اور وہ اپنی بندگی کا ادراک کرکے خدا کی طرف متوجہ ہوجائے۔ اِس دعوتی عمل کا نشانہ یہ ہے کہ انسان خدا کی ذات کو پہچانے۔ وہ خدا کی قدرت کے مقابلے میں اپنے عجز کو دریافت کرے۔ غیب کا پردہ پھاڑے جانے سے پہلے وہ خدا کا مشاہدہ کرے۔ خدا سے براہِ راست سابقہ پیش آنے سے پہلے وہ بالواسطہ طور پر خدا کی معرفت حاصل کرے۔

دعوت کا مقصد انسان کے اندر سوئی ہوئی روح کو جگانا ہے۔ یہ بھٹکے ہوئے انسان کو خدا کی طرف جانے والے سیدھے راستے پر کھڑا کرنا ہے۔ دعوت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر اُس بصیرت کو جگایا جائے جو کائنات کی نشانیوں میں خدا کے جلووں کو دیکھنے لگے، جو مخلوقات

کے آئینے میں اس کے خالق کو بلا حجاب پالے۔ دعوت ایک انسان کو اس قابل بنانے کا نام ہے کہ وہ براہِ راست اپنے رب سے مربوط ہوجائے۔ اس کو روحانی سطح پر خدا کا فیضان (divine inspiration) پہنچنے لگے۔ اس کے دل ودماغ خدا کے نور سے منور ہوجائیں۔ اس کا پورا وجود خدا کی رحمت کی بارش میں نہا اٹھے۔

دعوت کا نشانہ یہ ہے کہ آدمی دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی مخلوق بن جائے، وہ دنیا کی عظمتوں میں خدا کی عظمت کو دریافت کرے، وہ دنیا کی نعمتوں میں جنت کی نعمتوں کا تجربہ کرنے لگے۔ دنیا کی تکلیفیں اس کو جہنم کی تکلیف یاد دلائیں۔ دنیا کے مناظر اس کو آخرت کی حقیقتوں کا مشاہدہ کرانے لگیں — یہی دعوت کا نشانہ ہے اور ایسے ہی انسانوں کو وجود میں لانا دعوت اور داعی کی کامیابی ہے۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کو 'احسنِ تقویم' کی صورت میں پیدا کیا، پھر اس کو گرا کر 'اسفل سافلین' میں ڈال دیا (95:4-6)۔

دعوتی عمل کا مقصد انسان کو دوبارہ اس کی اصل ابتدائی حالت کی طرف لوٹانا ہے، جنت سے نکالے جانے کے بعد دوبارہ اُس کو جنت کے راستے پر ڈالنا ہے، خدا کی رحمت سے دور ہونے والوں کو دوبارہ خدا کی رحمت کے سایے میں پہنچا دینا ہے۔

انسان کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کی ایک مچھلی جس کو پانی سے نکال کر صحرا میں ڈال دیا جائے۔ ایسی مچھلی صحرا میں مسلسل تڑپ رہی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ بہترین ہمدردی یہ ہوگی کہ اس کو دوبارہ پانی کی طرف لوٹا دیا جائے۔ انسان بھی اسی طرح جنت کی ایک مخلوق ہے۔ اس کے اندر ایک نامعلوم آئڈیل کو پانے کا جذبہ بے پناہ حد تک پایا جاتا ہے۔ ہر آدمی اپنے اس نامعلوم آئڈیل کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ وہ بار بار دنیوی رونق والی کسی چیز کی طرف لپکتا ہے، اس امید میں کہ وہ جس آئڈیل کی تلاش میں ہے، وہ شاید یہی ہے، مگر ہر بار اسے ناکامی ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے، بغیر اس کے کہ اس نے اپنے آئڈیل کو پایا ہو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں داعی کو اپنا دعوتی عمل انجام دینا ہے۔ داعی کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو بتائے کہ وہ جس آئڈیل کی تلاش میں ہے، وہ صرف خدااوراس کی جنت ہے۔ یہ صرف خدا ہے جس کو پا کرآدمی اپنے آئڈیل (ideal) کو پائے گا۔ یہ صرف جنت ہے جہاں پہنچ کرآدمی اس اطمینان سے دو چار ہوگا کہ وہ جس دنیا کی تلاش میں تھا، وہ دنیا اسے حاصل ہوگئی۔

اس اعتبار سے ہر انسان داعی کا نشانہ ہے۔ داعی کو ہر فرد تک پہنچنا ہے۔ اسے ہر آنکھ پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹانا ہے۔ گویا دنیا میں اگر سات بلین انسان ہیں تو داعی کو سات بلین کام کرنا ہے۔ اسے سات بلین روحوں کو ان کے خدا سے ملانا ہے۔ اسے سات بلین انسانوں کو ان کی جنتی قیام گاہ تک پہنچانے کی کوشش کرنا ہے۔

داعی وہ ہے جو زندگی کے راستوں پر روشنی کا مینار بن کر کھڑا ہوجائے، جو انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے خدائی رہنما بن جائے۔ قرآن کی سورہ الذاریات میں پیغمبر کی زبان سے

کہا گیا ہے کہ: ففرّوا إلى الله إنّي لكم منه نذير مبين (51:50) یعنی اے لوگو! اللہ کی طرف دوڑو، میں اس کی طرف سے تمھارے لیے ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اسی بات کو دوسری جگہ قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اعبدوا الله واجتنبوا الطّاغوت (16:36) یعنی اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔

اس دنیا میں انسان دو پکاروں کے درمیان ہے۔ ایک، خدا کی پکار اور دوسرے، طاغوت (شیطان) کی پکار۔ خدا خیر کا سرچشمہ ہے۔ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلا رہا ہے۔ اس کے برعکس، شیطان شر کا سرچشمہ ہے۔ وہ لوگوں کو شر کے راستوں کی طرف بلاتا ہے۔ آدمی کا امتحان یہ ہے کہ وہ شیطان کے فریب میں نہ آئے اور شیطان کو چھوڑ کر وہ خدا کی طرف دوڑ پڑے۔

موجودہ دنیا میں ہر آدمی اسی دوطرفہ تقاضے کے درمیان ہے۔ ہر آدمی ایک داخلی جنگ کے محاذ پر کھڑا ہوا ہے۔ ایک طرف اس کا ضمیر (conscience) ہے جو اس کو خدا کی طرف کھینچتا ہے۔ دوسری طرف

اس کی انا (ego) ہے جو اس کو دھکیل کر شیطان کی طرف لے جانا چاہتی ہے — ضمیر خدا کا نمائندہ ہے اور انانیت شیطان کی نمائندہ۔

داعی کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرے۔ وہ انسان کے اندر ذہنی بیداری لا کر اس کو اس قابل بنائے کہ وہ اس دوطرفہ تقاضے کو پہچانے۔ وہ اپنی انانیت پر روک لگائے اور ضمیر کی آواز کو تقویت دے۔ وہ شیطان کی ترغیبات سے بچ کر خدا کے اُس راستے کا مسافر بن جائے جو اس کو جنت کی طرف لے جانے والا ہے — یہ دعوتی کام زمین پر ہونے والے تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ پیغمبروں والا کام ہے۔ جو لوگ اس کام کے لیے اٹھیں، اُن کو نہایت خصوصی انعامات سے نوازا جائے گا۔

قرآن کی سورہ نمبر 7 میں اصحابِ اعراف کا ذکر ہے، یعنی بلندیوں والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے دن اونچے منبروں پر کھڑے کیے جائیں گے۔ اور اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ دونوں کے بارے میں خدا کے فیصلے کا اعلان کریں گے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

”اوراعراف کے اوپر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی علامت سے پہچانیں گے۔ اور وہ جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، مگر وہ اس کے امیدوار ہوں گے۔ اور جب دوزخ والوں کی طرف ان کی نگاہ پھیری جائے گی تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب، ہم کو شامل نہ کرنا ان ظالم لوگوں کے ساتھ۔ اور اعراف والے ان لوگوں کو پکاریں گے جنھیں وہ ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ تمھارے کام نہ آئی تمھاری جماعت اور تمھارا اپنے کو بڑا سمجھنا۔ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ان کو کبھی اللہ کی رحمت نہ پہنچے گی۔ جنت میں داخل ہو جاؤ، اب نہ تم پر کوئی ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہو گے“۔ (7:46-49)

اس آیت میں اصحاب اعراف سے مراد شہدا ہیں، یعنی خدا کے وہ خاص بندے جنھوں نے دنیا میں قوموں کے اوپر خدا کے دین کی گواہی دی اور پھر کسی نے مانا اور کسی نے انکار کیا (تفسیر القرطبی، 7/211)۔

ان شہدا کے لیے قرآن میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً منذر، مبشر، داعی، وغیرہ۔ اس گروہ میں اولاً انبیا شامل ہیں اوراس کے بعد اللہ کے وہ خاص بندے جنھوں نے انبیا کے نمونے کو لے کر اپنے زمانے کے لوگوں پر دعوت اور شہادت کا کام انجام دیا۔

تاہم قیامت میں لوگوں کے ابدی انجام کا جو فیصلہ ہونے والا ہے، وہ اُسی کارِشہادت (دعوت) کی بنیاد پر ہوگا جو دنیا میں ان کے اوپر انجام دیا گیا تھا۔ یہ کارِشہادت دنیا ہی میں انسانوں کو دو گروہوں میں بانٹ رہا ہے۔ ایک، اس کو قبول کرنے والے اور دوسرے، اس کا انکار کرنے والے۔ قیامت میں یہ دوسرے قسم کے لوگ ایک دوسرے سے الگ کردیے جائیں گے۔ اور پھر دونوں کے لیے ان کے عمل کے مطابق، دو مختلف انجام کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ فیصلہ اگر چہ تمام تر خدا کا فیصلہ ہوگا۔ تاہم اس فیصلے کا اعلان اُنھیں خصوصی بندوں کے ذریعے کرایا جائے گا جنھوں نے دنیا میں دعوت اور شہادت کا کام انجام دیا تھا۔ یہ ان کے حق میں ایک

غیر معمولی اعزاز ہوگا۔ اس اعلان کے لیے قیامت کے میدان میں اونچے اسٹیج بنائے جائیں گے جن کے اوپر یہ اصحاب اعراف کھڑے ہوں گے۔ وہاں سے وہ ہر ایک کو دیکھیں گے اور ہر ایک کے بارے میں خدائی فیصلے سے اس کو باخبر کریں گے۔

شہدا اور دُعاۃ (داعیوں) نے دنیا میں خدا کے کام کو اپنا کام سمجھ کر اس کے لیے محنت کی تھی، اس عمل کی بنا پر ان کو یہ امتیازی انعام دیا جائے گا کہ قیامت میں وہ بلندیوں پر کھڑے ہوں اور اس دعوتِ حق کے آخری انجام سے لوگوں کو باخبر کریں۔ دنیا میں وہ اپنے مقصد کے اعتبار سے بلند تھے اور قیامت میں وہ اس کے عملی انجام کے اعتبار سے بلند قرار دیے جائیں گے۔

خدا پر ایمان لانے کے بعد ایک بندے سے عملی طور پر جو کچھ مطلوب ہے، اس کو قرآن میں دو قسم کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے — اطاعتِ خدا، اور نصرتِ خدا۔ اطاعتِ خدا سے مراد یہ ہے کہ بندہ اُن تمام اوامر و نواہی پر عمل کرے جو خدا کی طرف سے

رسول کے ذریعے بتائے گیے ہیں۔ وہ اُن تمام حکموں کو اپنی زندگی میں اختیار کرے جن کو اختیار کرنے کی خدا نے تاکید کی ہے، اور ان تمام چیزوں سے بچے جن سے بچنے کا خدا نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے، یا اپنے رسول کے ذریعے جن کا اعلان فرمایا ہے۔

نصرتِ خدا کا مطلب ہے خدا کی مدد کرنا۔ یہ ایک انوکھا شرف ہے جو کسی صاحب ایمان آدمی کو ملتا ہے۔ اس سے مراد وہی چیز ہے جس کو قرآن میں دعوت الی اللہ کہا گیا ہے۔ یہ چوں کہ خود خدا کا ایک مطلوب عمل ہے جو بندے کے ذریعے ادا کرایا جاتا ہے، اسی لیے اس کو نصرتِ خدا (خدا کی مدد) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عبادت، اخلاق اور معاملات میں خدا کے احکام کی تعمیل بندے کی اپنی ضرورت ہے۔ اس کے ذریعے بندہ اپنی بندگی کو ثابت کر کے خدا کے انعام کا مستحق بنتا ہے، مگر دعوت الی اللہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق، یہ اللہ کے اوپر سے حجت (4:165) کو اٹھانا ہے۔ امتحان کی مصلحت کی بنا پر

یہ کام انسانوں کے ذریعے ادا کرایا جاتا ہے۔ یہ ایک خدائی عمل ہے جس کو کچھ انسان خدا کی طرف سے انجام دیتے ہیں اور پھر خدا کے یہاں سے وہ اس کا انعام پاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہہ ساری دنیا کے لیے خدا کے پیغمبر ہیں، مگر آپ ایک محدود مدت تک دنیا میں رہے، اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی امت آپ کے اس کام کی ذمے دار ہے۔ اپنی زندگی میں آپ نے براہِ راست طور پر اس کام کو انجام دیا۔ آپ کے بعد یہ کام بالواسطہ طور پر آپ کی امت کے ذریعے انجام پائے گا۔ آپ کی امت کی لازمی ذمے داری ہے کہ وہ نسل درنسل ہر زمانے کے لوگوں کے سامنے اُس دین کا پیغام پہنچاتی رہے، جو دین آپ خدا کی طرف سے لائے اور جو قیامت تک اسی حال میں محفوظ رہے گا۔

اس معاملے کی مزید تشریح ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کو مشہور سیرت نگار محمد بن اسحاق (وفات: 768ء) نے نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کے دعوتی مشن کے بارے میں بھی فرمایا ہے اور خود اپنے بارے میں بھی۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ (623ء) کی ادائیگی کے بعد ایک دن اپنے اصحاب کے سامنے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو، اللہ نے مجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، پس تم اس معاملے میں مجھ سے اختلاف نہ کرو، جیسا کہ مسیح کے حواریوں نے اختلاف کیا تھا۔ آپ کے اصحاب نے کہا کہ اے خدا کے رسول، حواریوں نے کس طرح اختلاف کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مسیح نے اپنے حواریوں کو اُس کام کی طرف بلایا جس کی طرف میں نے تم کو بلایا ہے، پس مسیح نے جس کو قریبی مقام پر جانے کے لیے کہا، وہ راضی رہا اور تیار ہو گیا اور جس کو دور کے مقام پر جانے کے لیے کہا تو اس نے ناگواری ظاہر کی اور وہ اُس پر گراں گزرا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مختلف سرداروں اور حاکموں کی طرف اپنی دعوت کے ساتھ

روانہ کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب کے سامنے آئے اور اس دعوتی کام کی طرف انھیں توجہ دلائی تو ان سے کہا کہ اللہ نے مجھ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم میری طرف سے اس ذمے داری کو ادا کرو، اللہ تمھارے اوپر رحم فرمائے (**إن الله بعثني رحمةً للناس كافةً فأدوا عني، رحمكم الله**)۔ سیرت ابن ہشام، 4/278

زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے کسی انسان کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کہ وہ ایک ایسے کام کے لیے سرگرم ہو جو براہِ راست طور پر خود خدا کا کام ہو، جو گویا خداوند ذوالجلال کی نیابت ہے۔ یہ بلاشبہہ ایک ایسا اعزاز ہے جس سے بڑا کوئی اعزاز ممکن نہیں۔

خدا قادر مطلق ہے۔ وہ ہر معلوم اور نامعلوم کام کو انجام دینے کی مکمل قدرت رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لیے پتھروں کو گویا کر دے، وہ درخت کی ہر پتّی کو زبان بنا دے جس سے وہ خدا کے پیغامات کا اعلان کرنے لگیں، مگر یہ خدا کا طریقہ نہیں۔ خدا یہ

چاہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان اس کے پیغام رسانی خود انسان ہی انجام دے، تا کہ التباس (6:9) کا پردہ باقی رہے، تا کہ امتحان کی مصلحت مجروح نہ ہونے پائے۔

اس صورت حال نے انسان کی لیے عظیم ترین عمل کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جولوگ دعوت کے اس خدائی عمل کے لیے اٹھیں، ان کو دنیا کی زندگی میں نہایت خصوصی مدد حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں ان کو اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا جائے گا۔

ایک انسان جب نماز پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کے آگے اپنے عجز کا اقرار کررہا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب وہ دعوت الی اللہ کا کام کرتا ہے تو اس کا احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ خود خدا کا ایک کام انجام دے رہا ہے۔ کسی انسان کے لیے بلا شبہہ اس سے زیادہ لذیذ کوئی تجربہ نہیں کہ وہ یہ محسوس کرے کہ — میں اپنے رب کے کام میں مصروف ہوں، میں اپنے رب کے ایک منصوبے کی تکمیل کررہا ہوں۔

امت کی ذمّے داری

قرآن کی سورہ الانعام میں ارشاد ہوا ہے — تم پوچھو کہ سب سے بڑا گواہ کون ہے۔ کہو اللہ، وہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن اترا ہے، تا کہ میں تم کو اس سے خبر دار کردوں اور اُس کو جس کو یہ (قرآن) پہنچے: لأنذركم به و مَن بلغ (6:19)۔

اس آیت میں پیغمبر کی زبان سے یہ کہا گیا ہے کہ "مجھ پر قرآن اتارا گیا ہے، تا کہ میں تم کو اس سے خبر دار کروں اور اس کو جس کو یہ (قرآن) پہنچے"۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے لوگوں تک براہِ راست طور پر خود اپنی کوشش سے قرآن کے پیغام کو پہنچایا تھا۔ اب آپ کے بعد آپ کی امت آپ کی نیابت میں پیغام رسانی کا یہ کام انجام دے گی۔ ہر دور کے افرادِ امت اپنے زمانے کی انسانی نسلوں کے سامنے قرآن کی تبلیغ کا یہ کام انجام دیتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

اس سلسلے میں جو ذمے داری پیغمبر کی تھی، ٹھیک وہی ذمے داری اب امت پر عائد ہو چکی ہے۔ امت کو ہر حال میں قرآن کا پیغام

تمام انسانوں تک پہنچانا ہے۔اس معاملے میں امت، خاص طور پر امت کے علما کو اس آخری حد تک جا کر یہ ثبوت دینا ہے کہ وہ عام انسانوں کی ہدایت کے حریص بن گیے ہیں۔انھیں اپنے آپ کو اس کام میں اتنا زیادہ شامل کرنا ہے کہ بظاہر محسوس ہونے لگے کہ شاید وہ اس کوشش میں اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے (18:6)۔

تبلیغِ عام کی یہ ذمے داری جو امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے، اس کی حیثیت اختیاری عمل کی نہیں ہے کہ چاہے اس کو کیا جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے، یہ ایک ایسی ذمے داری ہے جس کو ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ جس طرح پیغمبر کے لیے اس معاملے میں کوئی عذر قابلِ قبول نہ تھا، اسی طرح آپ کی امت کے لیے بھی اِس معاملے میں کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا، حتیٰ کہ بظاہر دوسرے دینی اعمال بھی امت کی نجات کے لیے کافی نہیں ہوسکتے، اگر وہ دعوتِ عام کے اس فریضے کو چھوڑے ہوئے ہو۔

ہزاروں انسان ہر روز مر رہے ہیں۔اس طرح وہ اس موقع سے محروم ہورہے ہیں کہ انھیں خدا کی بات بتائی جائے اور وہ اس کو قبول کر کے

خدا کی پکڑ سے بچ سکیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کا لازمی فریضہ ہے کہ وہ ہر عذر کو چھوڑ کر دعوت الی اللہ کی اِس مہم کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

لازمی فریضہ

قرآن کی سورہ المائدہ میں ارشاد ہوا ہے —— اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے اس کو پہنچادو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔ اللہ یقینا منکر لوگوں کو راہ نہیں دیتا (5:67)۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو جس خاص مقصد کے تحت بھیجا، وہ یہ تھا کہ خدا سے ملی ہوئی ہدایت کو وہ لوگوں تک پہنچادے، یہی پیغمبر کا اصل کام تھا۔ پیغمبر اگر یہ کام نہ کرے یعنی جو پیغام اسے دوسروں تک پہنچانا ہے، وہ اس کو نہ پہنچائے تو گویا کہ اس نے اپنے مشن کی تکمیل نہ کی۔

ختمِ نبوت کے بعد امتِ محمدی مقامِ نبوت پر ہے، یعنی اس کو وہی کام انجام دینا ہے جو پیغمبر نے اپنے زمانے میں انجام دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود پیغمبر کی طرح، امت محمدی کا امت محمدی ہونا، تمام

تر اِس بات پر موقوف ہے کہ وہ پیغمبر کی نیابت میں خدا کے پیغام کی تبلیغ کا کام کرے۔ وہ ہر زمانے کے انسانوں تک خدا کے دین کو اس کی بے آمیز صورت میں پہنچاتی رہے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر بھی قرآن کی مذکورہ آیت کے الفاظ صادق آئیں گے، یعنی وہ خدا کی نظر میں اپنے امتِ محمدی ہونے کی حیثیت کو کھودے گی۔

''اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا'' اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ اس معاملے میں تمھیں کسی بھی عذر کو عذر نہیں بنانا ہے۔ اس معاملے میں تمھارا ہر عذر اللہ کے یہاں غیر مقبول ہے۔ تم کو صرف یہ کرنا ہے کہ ہر ممکن یا غیر ممکن عذر کو خدا کے خانے میں ڈال دو اور دعوت کے عمل میں اپنے آپ کو لگا دو۔ اس معاملے میں دوسرا کوئی بھی راستہ اہلِ ایمان کے لیے جائز نہیں۔

دعوت الی اللہ کا کام

موجودہ زمانہ دعوت الی اللہ کے کام کے لیے انتہائی حد تک موافق زمانہ ہے۔ آج ہر جگہ مذہبی آزادی (religious freedom)

کا ماحول ہے۔ کمیونکیشن کی سہولتیں اعلیٰ درجے میں حاصل ہیں۔ موثّر دعوتی لٹریچر چھپا ہوا موجود ہے۔ ایسی حالت میں کسی بھی شخص کے لیے کوئی عذر (excuse) باقی نہیں رہا۔ کوئی بھی عورت یا مرد یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتا کہ وہ دعوت کا کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، اِس لیے اُس نے دعوت کا کام نہیں کیا۔

آج دعوت کا کام کرنے کے لیے اِس کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اپنے کاموں کو چھوڑ کر تمام ضروری علوم کا مطالعہ کریں اور پھر اپنے اندر اعلیٰ علمی استعداد پیدا کرنے کے بعد دعوت کا کام کریں۔ اب آپ کی طرف سے یہ کام کیا جا چکا ہے۔ آپ اپنی زندگی کے نقشے میں کوئی تبدیلی کیے بغیر دعوت کے کام کو اپنی زندگی کا جُز بنا سکتے ہیں اور دعوت کی ذمے داریوں کو بخوبی طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

سی پی ایس کے تحت مختلف زبانوں میں طاقت ور لٹریچر شائع کیا جا چکا ہے۔ آپ اِس لٹریچر کو حاصل کریں۔ اس کو ہر جگہ اپنے ساتھ رکھیں، اور جب بھی کسی شخص سے آپ کی ملاقات ہو، تو آپ اس کو یہ کہہ کر

پیش کردیں کہ — جناب، یہ آپ کے لیے ایک روحانی تحفہ ہے:

Sir, this is a spiritual gift for you!

آپ اِس لٹریچر کو اپنے آفس میں، اپنی دکان میں، اور اپنے ادارے میں نمایاں مقام پر رکھ دیں۔ آنے والے لوگ خود ہی اس کو لے لیں گے اور شوق سے اس کا مطالعہ کریں گے۔ یہ زمانے کا تقاضا ہے، اور ہمیں چاہیے کہ ہم اِس تقاضے کو دعوت الی اللہ کے کام کے لیے بھرپور طور پر استعمال کریں۔

دعوت اور عمل

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ''پہلے مسلمانوں کی اصلاح کرو، جب ان کی اصلاح ہو جائے گی تو لوگ ان کو دیکھ کر خود بخود اسلام قبول کرلیں گے''۔ اصولی اعتبار سے یہ بات درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت اپنے آپ میں ایک ذمّے داری ہے۔ دعوت کا کام ہر حال میں کرنا ہے، جس طرح نماز ہر حال میں پڑھنا ہے۔ کوئی بھی عذر دعوتی فریضے کی ادائیگی سے باہر رہنے کے لیے کافی نہیں۔ اِس طرح کے

لوگ اگر اپنے نظریے کو درست سمجھتے ہیں تو وہ تارکینِ صلوٰۃ سے نماز پڑھنے کے لیے بھی نہ کہیں، وہ یہ کریں کہ وہ خود نماز پڑھیں اور یہ یقین کریں کہ لوگ ان کو دیکھ کر اپنے آپ نماز پڑھنے لگیں گے۔

یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے کہ مسلمان اگر درست ہو جائیں تو غیر مسلم صرف ان کو دیکھ کر ہی اسلام قبول کرلیں گے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر آئے، اور یہ پیغمبر مسلّمہ طور پر اخلاق کے اعلیٰ معیار پر تھے۔ مگر ایسا نہیں ہوا کہ پیغمبروں کو دیکھ کر لوگ خدا کے دین کو اختیار کرلیں۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کا وہ حال ہوا جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **یاحسرۃً علی العباد ماياأتيهم من رسول إلا كانوا به يستهزؤن** (36:30)

اصل یہ ہے کہ آدمی جب کسی کو نیکی کی تلقین کرے تو سنجیدگی کا تقاضا ہے کہ وہ خود بھی اس پر کاربند ہو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عمل، دعوت کی شرط ہے۔ دعوت کا کام ہر حال میں جاری رکھا جائے گا،

خواہ داعی اس پر عامل ہو یا نہ ہو۔

مفسر ابن کثیر نے سورۃ البقرہ آیت 44 کے تحت لکھا ہے کہ :

''معروف کی تلقین کرنا اور اس پر عمل کرنا دونوں واجب ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ترک سے ساقط نہیں ہوتا۔ علماءِ سلَف اور علماءِ خلَف کا صحیح ترین قول یہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم معروف کی تلقین کرے گا، اگرچہ وہ اس پر عمل نہ کرتا ہو، اور وہ منکر سے روکے گا، اگرچہ وہ خود اس کا مرتکب ہو۔ سعید ابن جبیر تابعی نے درست طور پر کہا کہ اگر ایسا ہوتا کہ آدمی صرف اُس وقت معروف کی تقلین کرے اور منکر سے روکے جب کہ اس کے اندر کوئی منکر نہ پایا جارہا ہو تو کسی شخص نے بھی معروف کی تلقین نہ کی ہوتی اور نہ وہ منکر سے روکتا''۔ (تفسیر ابن کثیر 1 / 85)

اصل یہ ہے کہ دعوت احساسِ ذمے داری کے تحت ظاہر ہونے والا عمل ہے، نہ کہ احساسِ صالحیت کے تحت۔ مدعو جب اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام کو اختیار کرتا ہے تو وہ اسلام کی اپنی صداقت کی بنا پر ایسا کرتا

ہے، نہ کہ مسلمانوں کو باعمل دیکھ کر۔ اگر داعی کے باعمل ہونے کو دیکھ کر لوگ حق کو قبول کرتے تو تمام انبیا کے گِرد انسانوں کی بھیڑ دکھائی دیتی۔ مگر معلوم ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے سوا کسی بھی پیغمبر کے گرد انسانوں کی کوئی بڑی جماعت اکھٹا نہیں ہوئی۔ اَعداد وشمار کے مطابق، ہر سال صرف امریکا میں تقریباً ایک لاکھ غیر مسلم اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ مسلمانوں کو باعمل دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، تو کیا موجودہ زمانے میں امریکا اور دوسرے مقامات پر رہنے والے مسلمان ایسے ہی باعمل ہیں جنھیں صرف دیکھ کر غیر مسلموں کی اتنی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہوجائے۔

اصل یہ ہے کہ دعوت ہر حال میں اور ہر شخص کو دینا ہے۔ دعوت کے لیے عمل کی شرط نہیں لگائی جاسکتی۔ البیہقی اور ابن عسا کر نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حُذیفہ نے ہم سے کہا کہ ہم اس علم (دین حق) کے حامل بنائے گیے تھے، اس کو ہم تمھیں دے رہے ہیں، اگر چہ ہم خود اس پر عمل نہ کرسکے: **إنا حملنا هذا العلم، وإنّا**

نؤدّيه إليكم وإن كنا لا نعمل به (حياة الصحابة : 3/268)

ہر گھر دعوتی مرکز

حضرت موسیٰ کا زمانہ پندرھویں صدی قبل مسیح کا زمانہ ہے، یعنی اب سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے کا زمانہ۔ وہ قدیم مصر میں پیغمبر بنائے گئے۔ اُس وقت مصر میں بنی اسرائیل چند لاکھ کی تعداد میں آباد تھے۔ وہ گویا اُس زمانے کے اہلِ ایمان تھے۔ اُس وقت بنی اسرائیل کو ایک حکم دیا گیا، جو قرآن میں اِن الفاظ میں آیا ہے: اجعلوا بیوتکم قبلة (10:87) یعنی تم اپنے گھروں کو قبلہ بنالو۔

قبلہ اُس مرکزی جگہ کو کہتے ہیں، جس کی طرف توجہ کی جائے، جو لوگوں کے لیے فوکس آف اٹنشن (focus of attention) یا سنٹر آف اٹنشن (centre of attention) کی حیثیت رکھتا ہو۔ اُس وقت کے حالات میں اِس کا مطلب یہ تھا کہ اپنے گھروں کو اپنے لیے دعوتی اور تربیتی عمل کا مرکز بنالو۔ یہ ایک تدبیر تھی، اور یہ تدبیر ہر زمانے میں اور ہر مقام پر مطلوب ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی ہمیں دعوتی عمل کو

مستحکم کرنے کے لیے یہی کام کرنا ہے۔

موجودہ زمانے میں اِس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر لائبریری کے نام سے ایک جگہ بنائے، خواہ اپنے گھر کے اندر، یا اپنے گھر کے باہر۔ حتی کہ اگر کسی کے پاس ایک کمرے کا گھر ہو، تب بھی وہ اس کے ایک حصے میں کتابوں کی الماری کھڑی کرکے اس کو لائبریری کی صورت دے سکتا ہے۔ یہ لائبریری عملاً دعوت اور تربیت کا ایک مرکز ہوگی۔ ضرورت ہے کہ اِس طرح کے مراکزِ دعوت ہر جگہ قائم کیے جائیں۔

ہجرت برائے دعوت

موجودہ زمانہ میں جب صنعتی ترقی ہوئی تو مسلم ملکوں کے بہت سے لوگ اپنے وطن سے ہجرت کرکے ترقی یافتہ ملکوں میں گئے۔ ایسے مہاجر مسلمانوں کی مجموعی تعداد تقریباً 15 ملین ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے اصحاب سے کہا تھا کہ اللہ نے مجھے تمام انسانوں کے لئے بھیجا۔ اس لئے تم میرے پیغام کو

تمام لوگوں تک پہنچا دو۔ اس کے بعد اصحاب رسول کی بڑی تعداد عرب سے نکل کر مختلف ملکوں میں پھیل گئی۔

حدیث میں آیا ہے کہ جس آدمی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت قرار پائے گی۔ اور جس آدمی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس طرف اس نے ہجرت کی: **فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله۔ ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها... فهجرته إلى ما هاجر إليه** (**صحیح مسلم**، حدیث نمبر 1907)۔

اس حدیثِ رسول کی روشنی میں، صحابہ کی ہجرت دعوت الی اللہ کے لئے تھی۔ اس لئے ان کو دعوت الی اللہ کا ثواب ملے گا۔ دوسرے لفظوں میں، اصحابِ رسول دینے والے (giver) بن کر باہر گئے تھے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان لینے والے (taker) بن کر باہر کے ملکوں میں گئے ہیں۔ اب اگر یہ ہجرت کرنے والے مسلمان، اصحابِ

رسول والا انعام اللہ کے یہاں پانا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی ہجرت کو اسلامائز کرنا ہوگا، یعنی وہ ان ملکوں میں داعی بن کر رہیں، وہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔

قرآن کتابِ دعوت

قرآن ایک کتاب دعوت ہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے رُبع اول میں جب قرآن اترا تو اُس وقت قرآن ہی دعوت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ رسول اور اصحابِ رسول کے طریقِ تبلیغ کے متعلق روایات میں آتا ہے: عرض علیہم الاسلام، وتلا علیہم القرآن (انھوں نے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کا کچھ حصہ ان کو پڑھ کر سنایا)۔

انگریزی زبان موجودہ زمانے میں انٹرنیشنل زبان سمجھی جاتی ہے۔ انگریزی زبان میں قرآن کے تقریباً 50 ترجمے موجود ہیں۔ مگر قومی ذہن کی بنا پر یہ انگریزی ترجمے مدعو فرینڈلی زبان (Mad‘u-friendly language) میں تیار نہ ہوسکے۔ اِسی ضرورت کی

تکمیل کے لیے لمبی کوشش کے بعد سی پی ایس انٹرنیشنل (نئی دہلی) نے 2008 میں انگریزی زبان کا ایک نیا ترجمہ قرآن شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ مدعو فرینڈلی زبان میں تیار کیا گیا ہے۔ چناں چہ جن غیر مسلم حضرات تک یہ ترجمہ پہنچتا ہے، وہ اس کو شوق سے لیتے ہیں اور دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھتے ہیں۔ واشنگٹن (امریکا) کے ایک ادارہ:

Pew Forum on Religion and Public Life

کے ایک حالیہ سروے میں بتایا گیا ہے کہ اِس وقت دنیا کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ بلین سے زیادہ ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ — موجودہ انسانی آبادی میں ہر چار میں سے ایک شخص مسلمان ہے:

World over, 1in 4 persons is a Muslim.

اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان اگر یہ فیصلہ کرے کہ وہ کم از کم چار غیر مسلموں تک قرآن پہنچائے گا تو نہایت محدود مدت میں قرآن دنیا کے تمام مردوں اور عورتوں تک پہنچ جائے گا۔

واضح ہو کہ دعوت کا مقصد کنورژن (conversion) نہیں ہے۔

دعوت کا مقصد انذار وتبشیر (19:97) ہے، اور قرآن پہنچانے کے بعد یہ کام بلاشبہہ اصولی طور پر انجام پا جاتا ہے۔ داعی کا کام خدا کے پیغام کو پُرامن انداز میں مدعو تک پہنچا دینا ہے۔ اِس کے بعد یہ مدعو کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کے بارے میں کیا رسپانس دیتا ہے۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب ہر گھر میں اسلام کا کلمہ پہنچ جائے گا۔ اِس حدیث میں کلمۂ اسلام سے مراد خدا کی کتاب قرآن ہے۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ادخالِ کلمہ کے اِس عمل میں اپنا حصہ ادا کرے— یہ دعوتِ اسلام کا ایک ایسا طریقہ ہے جو بلاشبہہ ہر مسلمان کے لیے ممکن ہے، خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ۔

مسجد اور دعوت

ایک سیّاح نے لکھا ہے کہ میں نے دنیا بھر میں مختلف ملکوں کا سفر کیا۔ میں نے پایا کہ دوسری قوموں کے لوگ جہاں جہاں گئے، وہاں انھوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے، لیکن مسلمان جب عرب سے نکل کر دنیا کے مختلف ملکوں میں داخل ہوئے تو انھوں نے ہر جگہ

مسجدیں بنائیں۔ یہ مسجدیں گویا کہ اسلام کے مراکز ہیں۔ اسلام کی حیثیت ایک غیر سیاسی ایمپائر کی ہے، اور یہ مسجدیں گویا کہ عالمی سطح پر قائم اِس غیر سیاسی ایمپائر کی شاخیں ہیں جو ساری دنیا میں تقریباً ہر شہر اور ہر بستی میں موجود ہیں۔

یہ مسجدیں ایک اعتبار سے اسلام کی عبادت گاہیں ہیں، دوسرے اعتبار سے یہ مسجدیں اسلام کے دعوتی مراکز ہیں۔ اِن مسجدوں کے ذریعے جس طرح عالمی سطح پر نماز کا نظام قائم ہے، اِسی طرح اِن مسجدوں کے ذریعے اسلام کی عالمی دعوت کو منظم کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر جمعہ اور عیدین کا دن اِس مقصد کے لیے بہت زیادہ موزوں ہے۔ اِن دنوں میں مسلمان بڑی تعداد میں اِن مسجدوں میں اکھٹا ہوتے ہیں۔ اِسی کے ساتھ عالمی سیّاح بھی اپنے سفر کے دوران مختلف تاریخی مسجدوں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ اِن لوگوں کے ذریعے اسلام کی دعوت تیزی سے عالمی سطح پر پھیل سکتی ہے۔

دعوت، اہلِ ایمان پر اُسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز

اُن کے اوپر فرض ہے (2:143)۔ مسجد، دعوت اور عبادت دونوں فرائض کی ادائیگی کے لیے فطری مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔

اِس مقصد کے لیے سی پی ایس انٹرنیشنل نے بڑی تعداد میں پمفلٹ اور بروشر (brochures) خوب صورت انداز میں چھپوائے ہیں۔ اِن میں اسلام کی تعلیمات کو سادہ اورعصری اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ پمفلٹ اور بروشر اردو اور ہندی اور انگریزی زبان میں بڑی تعداد میں دستیاب ہیں۔ مسجدوں کے امام اِس دعوتی مہم میں نہایت آسانی کے ساتھ شریک ہوسکتے ہیں۔ وہ اِس لٹریچر کو منگوا کر اپنے یہاں رکھیں اور لوگوں کے درمیان اُن کو تقسیم کریں۔

اِس طرح مسجدوں کے امام بیک وقت دو کام کرسکتے ہیں — نماز کی امامت، اوردعوتِ اسلامی کی اشاعت۔

دعوت اور دعا

دعوت کا ایک اہم فارمولا یہ ہے — جہاں دعوت کے مواقع ہوں، وہاں دعوہ ورک (Dawah work)، اور جہاں بظاہر

دعوت کے مواقع دکھائی نہ دیں، وہاں دعاورک (Dua work)

دعا کا تعلق جس طرح دوسری تمام چیزوں سے ہے، اُسی طرح اس کا تعلق دعوت سے بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا، دعوت کے لیے لازمی جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ دعا کے بغیر دعوت کا کام موثر طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ دعاایک داعی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

داعی اپنے مدعو کا بہت زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ خیر خواہی کا یہ جذبہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے مدعو کے حق میں برابر دعا کرتا رہے۔ دعوت کو قبول کرنا ہمیشہ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اللہ کی توفیق ہی سے کسی انسان کا دل حق کو قبول کرنے کے لیے کھلتا ہے۔ اللہ کی توفیق ہی سے کسی کی کنڈیشننگ ٹوٹتی ہے۔ اللہ کی توفیق ہی سے یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص دعوت پر سنجیدگی سے غور کرے۔ یہ تمام چیزیں تقاضا کرتی ہیں کہ داعی ہمیشہ اپنے مدعو کے لیے اللہ سے دعا کرتا رہے۔

نتیجہ خیز عمل

میرے تجربے کے مطابق، صرف وہی کوششیں درست ہیں جو نتیجہ

خیز ہوں۔ بائبل میں کہا گیا ہے کہ — تم نے بہت سا بویا پر تھوڑا کاٹا:

You have sown much, and
bring in little (Haggai 1:6)

اِس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر بہت زیادہ کام کرتے ہیں، لیکن وہ صرف اس کا تھوڑا نتیجہ حاصل کر پاتے ہیں۔ ایسا اِس لیے ہوتا ہے کہ لوگ، عام طور پر، اپنے عمل کے نتیجے کو سامنے نہیں رکھتے۔ میں آپ تمام لوگوں سے کہوں گا کہ ہمیشہ اپنے عمل کے نتیجے کو سامنے رکھ کر کام کریں اور صرف وہی کام کریں جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہو کہ وہ نتیجہ خیز کام ہے۔

اخوان رسول کا رول

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپ نے اپنے ’اخوان‘ کا ذکر فرمایا ہے۔ اِس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: وددتُ أنّا قدرأينا إخواننا، قالوا: أولسنا إخوانک يا رسول الله، قال أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم يأتوا بعد (صحيح مسلم،

حدیث نمبر 367) یعنی میری خواہش ہے کہ ہم اپنے اخوان کو دیکھیں۔صحابہ نے کہا کہ اے خدا کے رسول، کیا ہم آپ کے اخوان نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو، اور ہمارے اخوان وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔

مذکورہ حدیث میں پیغمبر اسلام نے اپنے جن 'اخوان' کے متعلق بتایا ہے، اُن سے مراد وہ اہلِ ایمان ہیں جو معرفت کی سطح پر رسول کو پہچانیں گے اور بعد کے زمانے میں وہ دعوتی مقصد کے لیے اٹھیں گے، تاکہ سارے انسانوں کو خدا کا ابدی پیغام پہنچادیں۔اخوانِ رسول معروف معنوں میں کوئی ٹائٹل نہیں، بلکہ وہ ایک ذمے داری ہے۔

'اخوانِ رسول' کا لفظ تقریباً ہزار سال سے پُر اسرار بنا ہوا ہے۔ تاریخ کے کسی دور میں متعین طور پر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اخوانِ رسول کون لوگ ہوں گے اور مستقبل میں ان کا رول کیا ہوگا۔

اِس حدیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مابعد سائنس دَور (postscientificera) میں دعوت الی اللہ کا پیغمبرانہ رول ادا کرنا ابھی

باقی ہے، یعنی آج کی زبان میں خدائی سچائی کو اُس کی خالص اور بے آمیز صورت میں انسانوں کے سامنے پیش کرنا۔ مابعد سائنس دور میں اٹھنے والی دعوتی ٹیم ’اخوانِ رسول‘ کے اِس ٹائٹل کے لیے یقینی طور پر ایک امیدوار گروپ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ میں سے ہر عورت اور مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس امکان کو واقعہ بنائے۔

اِس امکان کو واقعہ بنانا اِس طرح ممکن ہے کہ سب سے پہلے آپ خود اسلام کی معرفت حاصل کریں۔ اُس کے بعد آپ قرآن کے انگریزی ترجمے کی اشاعت اور الرسالہ کی مطبوعہ کتابوں کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کا کام کریں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اندر سارے انسانوں کی خیرخواہی کی اسپرٹ موجود ہو۔ آپ تمام انسانوں کے حقیقی خیرخواہ بن کر اٹھیں۔ آپ کے دل میں ہر ایک کے لیے محبت اور ہمدردی ہو۔ آپ کا ٹارگیٹ کیا ہو، اس کو ایک حدیث میں اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے: **لا یبقیٰ علی ظهر الأرض بیت مدر و لا وبر إلا أدخله اللہ کلمة**

الإسلام (مسند أحمد، حديث نمبر 23183) یعنی زمین کی سطح پر کوئی گھر اور کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے۔

یہ کوئی پراسرار بات نہیں، یہ امکاناتِ دعوت کا اظہار ہے۔ یہ اُس دور کی پیشین گوئی ہے جب کہ ذرائع ابلاغ کا ظاہرہ سامنے آئے گا اور اُس کو استعمال کرکے ہر انسان تک کلمۂ اسلام کو پہنچانا ممکن ہوجائے گا۔ یہ کام صرف اِس طرح ممکن ہے کہ ہم دعوت الی اللہ کو اپنا اوّلین کنسرن (primary concern) بنا کر دوسری تمام چیزوں کو اپنی زندگی میں ثانوی (secondary) حیثیت دے دیں۔

اختلاف کو عذر بنانا

دعوتی مشن کے لیے اتحاد بہت ضروری ہے۔ اتحاد کا مطلب ہے: اختلاف کے باوجود متحد رہنا۔ آپ کو یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ — اتحاد ہماری طاقت ہے اور اختلاف ہماری کمزوری:

United we stand, divided we fall.

آپ اِس حدیثِ رسول کو اپنے ذہن میں ہمیشہ تازہ رکھیں: مَن شذّ شذّ إلی النار (الترمذی، حدیث نمبر 2167) یعنی جو شخص اجتماعیت سے الگ ہوا، وہ آگ میں جائے گا۔

یہ حدیث بہت اہم ہے۔ اِس حدیث میں اختلاف سے مراد نفسیاتِ اختلاف ہے، نہ کہ مجرّد گروہی اختلاف، یعنی اصل برائی عملاً کسی گروہ سے کٹنا نہیں ہے، بلکہ اختلاف برپا کرکے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو یہ سمجھنا ہوگا کہ آپ کبھی بھی اختلافات کو عُذر (excuse) بنا کر دعوتی مشن سے الگ نہ ہوں۔ خدا اس معاملے میں آپ کے کسی بھی عذر کو قبول نہیں کرے گا۔

رائے کی قربانی

کوئی آدمی جب ایک رائے قائم کرتا ہے تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُسی کی رائے درست ہے۔ ایسا صرف اُس کی اپنی کنڈیشننگ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے بجا طور پر کہا گیا ہے ہے کسی آدمی کے لیے سب سے بڑی قربانی اپنی رائے کی قربانی ہے۔ اِس لیے آپ کو اپنی رائے

کی قربانی دینی ہوگی۔ یہ بلاشبہہ سب سے بڑی قربانی ہے۔ یہی وہ قربانی ہےجس کی قیمت پرآپ متحد ہوکراپنادعوتی فریضہ اداکرسکتے ہیں۔

خداکےابدی پیغام کوتمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے درج ذیل ویب سائٹس تیارکرلیے گئے ہیں:

www.alrisala.org,www.cpsglobal.org
www.alquranmission.org
www.goodwordbooks.com

آپ زیادہ سےزیادہ لوگوں کو اِن ویب سائٹس سےآگاہ کریں۔ مذکورہ وسائلِ ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے آپ کومتحد ہوکر خدا کا پیغام ہندستان میں اور پھرساری دنیاکےانسانوں تک پہنچانا ہے۔

مزید یہ کہ آپ لوگوں کو بتائیں کہ وہ دہلی میں ہونے والا ہمارا ہفتے وار لکچر پابندی کے ساتھ سنیں جو کہ ہرسنڈے کی صبح کو انڈین ٹائم کے اعتبار سے ساڑھے دس بجے شروع ہوتا ہے اورڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہتا ہے۔سی پی ایس کےویب سائٹ (www.cpsglobal.org) پرہراتوار کو یہ لیکچرسنا جاسکتا ہےاور

آن لائن سوالات بھی کئے جاسکتے ہیں، نیز پچھلے لیکچرس بھی سی پی ایس کے اس ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

ہندستان میں دعوت الی اللہ

ایک حدیثِ رسول میں ہم کو یہ پیشین گوئی ملتی ہے کہ بعد کے زمانے میں دعوت الی اللہ کا کام کرنے کے لیے ہندستان میں ایک مخصوص گروہ (عصابۃ) اٹھے گا (النسائی، حدیث نمبر 3175)۔ یہ مخصوص دعوتی گروہ انڈیا میں بھی دعوت الی اللہ کا کام اُسی طرح کرے گا جس طرح وہ عالمی سطح پر دعوت الی اللہ کے کام کو انجام دے گا اور لوگوں کو جنت کا راستہ دکھائے گا۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے اِس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہندستان میں دعوت الی اللہ کا کام اس طرح منظم ہو کہ اُس کے ذریعے لوگ خدا کی ابدی رحمت کے سایے میں آسکیں۔ مذکورہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہندستان میں اٹھنے والا یہ دعوتی گروہ عذاب جہنم سے محفوظ رہے گا (أحرزهما الله من النار)، جنت کے

دروازے ان کے لیے کھول دیے جائیں گے اور یہ لوگ خدا کی ابدی جنت میں جگہ پائیں گے۔ اس لیے آپ کو اس دعوتی کام میں پورے یقین کے ساتھ بھرپور طور پر شامل ہو جانا ہے۔

ہر عورت اور مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اس دعوتی گروہ کا ناقابلِ تقسیم حصہ بنائے۔ اگر آپ نے اپنی دعوتی ذمے داریوں کو پورا کیا تو خدا آپ کو ضرور اُس دعوتی گروہ میں شامل فرمائے گا جس کے لیے اس کی طرف سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پیشگی طور پر بشارت دے دی گئی ہے۔

جو حضرات ''القرآن مشن'' میں شامل ہو کر ہمارا تعاون کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنا مکمل پتہ، فون نمبر اور ای میل روانہ کریں، نیز اِس بات کو واضح کریں کہ آپ کس طرح القرآن مشن میں اپنا تعاون فرمائیں گے:

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
Email: info@alquranmission.org
Mob. 011-41431165,+91-9810558483